© rasailojaraid.com

استحکام پاکستان کی واحد صورت

سید مودودیؒ نے چراغ راہ کے نظریہ پاکستان نمبر کے لیے ایک تفصیلی انٹرویو دیا تھا۔ اس وقت پاکستان، مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل، اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مملکت تھی۔ یہ سید مودودیؒ کی دور اندیشی اور فراست تھی کہ انھوں نے، ملکی سلامتی کو درپیش جن خطرات کی نشان دہی کی تھی، سانحہ مشرقی پاکستان کے بنیادی محرکات وہی ثابت ہوئے۔ آج مزید پچیس برس بیتنے کے بعد ایک بار پھر شدت کے ساتھ صوبائیت، علاقائیت اور لسانیت کے بلند ہوتے ہوئے نعرے اور حکمرانوں کی عاقبت نااندیشی، ملک کی یک جہتی و سلامتی کے لیے خطرہ بنتے محسوس ہو رہے ہیں۔ ایسے میں ملک کی بقا صرف اور صرف اسلامی نظریے ہی سے وابستہ ہے۔ ہم مذکورہ انٹرویو سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں جن کی سچائی آج بھی تازہ ہے اور مسائل کا حقیقی حل پیش کرتی ہے۔ (مدیر)

☆ آپ کی نگاہ میں پاکستان کے بقا اور استحکام کے لیے اسلامی نظریہ کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟

○ پاکستان کے بقا و استحکام کے لیے اسلامی نظریہ کی اولین ضرورت و اہمیت یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر ایک مسلمان قوم کا نظریہ اسلامی نہ ہو تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ مسلمان ہونے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ ہمارے خیالات اسلامی ہوں۔ ہمارے سوچنے کا انداز اسلامی ہو۔ معاملات پر ہم اسلامی نقطہ نظر ہی سے نگاہ ڈالیں اور اپنی تہذیب، تمدن، سیاست، معیشت اور فی الجملہ اپنے پورے نظام زندگی کو اسلام کے طریقے پر چلائیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو آخر کس بنا پر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے حق دار ہو سکتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرنا اور پھر اپنی زندگی کے مختلف گوشوں میں کسی غیر اسلامی نظریے پر کام بھی کرنا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ یا تو ہم منافق ہیں اور دل سے مسلمان نہیں ہیں، یا پھر ہم جاہل ہیں اور اتنا شعور بھی نہیں رکھتے کہ مسلمان ہونے کے کم سے کم منطقی تقاضے کیا ہیں؟

دوسری چیز، اس سلسلے میں یہ ہے کہ ہم نے متحدہ ہندستان میں سے پاکستان کے نام کا ایک الگ خطہ زمین کاٹ کر حاصل کرنے کے لیے جو لڑائی لڑی تھی، وہ تمام دنیا کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ کر لڑی تھی کہ ہم ایک جداگانہ تہذیب و تمدن رکھنے والی قوم ہیں۔ متحدہ ہندستان میں غیر مسلم اکثریت کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مشترک نظام زندگی ہم نہیں بنا سکتے۔ ہمیں اپنے نظام زندگی کے مطابق کام کرنے کے لیے ایک الگ علاقہ چاہیے جہاں ہم اپنی تہذیب اور اپنے تمدن اور اپنے قوانین حیات کے مطابق کام کر سکیں۔ اب ایک سخت لڑائی لڑنے کے بعد جب وہ پاکستان ہمیں حاصل ہو گیا جس کے لیے ہم نے یہ سارے پاڑ بیلے تھے تو یہ ایک بالکل عجیب حرکت ہو گی کہ ہم یہاں اسی تہذیب و تمدن اور نظام زندگی سے منہ موڑ لیں جس کا ہم نے نام لیا تھا اور وہی سب کچھ کرنا شروع کر دیں جو متحدہ ہندستان میں بھی بآسانی کیا جا سکتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمام دنیا کے سامنے اپنے آپ کو ایک جھوٹی اور مکار، یا احمق اور فضول قسم کی قوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ آخر دنیا یہ نہ سوچے گی کہ یہ عجیب قوم ہے کہ جس مقصد کا نام لے کر یہ لڑی تھی، لڑائی میں کامیاب ہو کر اسی مقصد کو فراموش کر بیٹھی اور جو کام یہ لڑے بغیر کر سکتی تھی، وہی اس نے جان و مال اور آبرو کے بے شمار نقصانات اٹھانے کے بعد کرنا شروع کر دیا۔ ہماری سوسائٹی میں جن باتوں پر بے چارے سکھوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ہماری یہ حرکت اس سے بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی ہو گی اور دنیا کے سامنے ہم اپنے آپ کو "مہاسکھ" کی حیثیت سے پیش کریں گے۔

تیسری چیز، اس سلسلے میں یہ ہے کہ پاکستان مختلف عناصر سے مرکب ہے اور جن عناصر سے یہ مرکب ہے، ان کے درمیان آج تک اپنی جداگانہ خصوصیات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ ان کے اندر حقیقت میں کوئی امتزاج ایسا نہیں ہو سکا ہے جو ان عناصر کو بالکل یک جان اور یک رنگ کر چکا ہو۔ ان کی زبانیں مختلف ہیں۔ لباس، عادات، طرز معاشرت مختلف ہے۔ نسلیں مختلف ہیں۔ ایک بڑی حد تک ان کے مفاد بھی نہ صرف مختلف بلکہ متصادم ہیں۔ ان کے اندر جدا جدا ہونے کا احساس نہ صرف موجود ہے بلکہ زندہ اور متحرک ہے اور ایک ذرا سے اشارے پر بہ آسانی ابھر آتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ پاکستان جغرافیائی حیثیت سے ایک وطن بھی نہیں ہے۔ اس کے دو بڑے ٹکڑے، جن میں اس کی آبادی تقریباً نصف نصف بٹی ہوئی ہے، ایک دوسرے سے ہزار میل کے فاصلے پر ہیں اور بیچ میں ایک ایسی طاقت حائل ہے جس کے ساتھ ہمارے کچھ بہت اچھے تعلقات بھی نہیں ہیں۔ کسی وقت بھی ان تعلقات کی خرابی کی وجہ سے ان دونوں ٹکڑوں میں مواصلات کے سارے رشتے کٹ سکتے ہیں۔ اس حالت میں پاکستان کو ایک وحدت بنا کر رکھنے والی قوت سوائے اسلام کے کوئی نہیں ہے۔ محض سیاسی نظام کی وحدت کوئی چیز نہیں۔ کیا اسی طرح کی وحدت آسٹریا اور ہنگری میں نہ تھی؟ کیا اسی طرح کی وحدت عثمانی سلطنت میں نہ تھی؟ کیا اسی طرح کی وحدت برٹش ایمپائر میں نہ تھی؟ اس وحدت کے بل پر مختلف الجنس عناصر کو ایک "بنیان مرصوص" نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے لیے زبان کی وحدت مددگار ہو سکتی ہے مگر اس کا یہاں دور دور کوئی امکان نہیں۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے معاشی مفاد کی وحدت بھی مددگار ہو سکتی ہے لیکن ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان یہ موجود نہیں ہے۔ اب سوائے ایک عقیدے اور دین کی وحدت اور اصول اخلاق و تہذیب کی وحدت کے اور کیا ایسی چیز ہے جو پاکستان کے مختلف عناصر کو جوڑ کر رکھ سکتی ہو؟

چوتھی اور آخری چیز، یہ ہے کہ ملک کی عظیم مسلم اکثریت، جو دراصل پاکستان کی بانی اور اس کی پشت پناہ ہے، سچے دل سے یہ ایمان رکھتی ہے کہ اس کی زندگی کے مسائل کا حل فی الواقع اسلامی نظام ہی میں ہے اور اس نظام سے بہتر کوئی دوسرا نظام نہیں ہے۔ جن لوگوں کا اصلی عقیدہ یہ نہیں ہے، جو محض مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمان بنے ہوئے ہیں مگر اپنے عقائد اور خیالات اور نظریات کے اعتبار سے غیر مسلم ہو چکے ہیں، ان کا معاملہ تو دوسرا ہے۔ وہ تو بلاشبہ یہی چاہیں گے کہ ہم اپنے ساتھ بس مسلمان کا نام لگائے رکھیں مگر کام کسی غیر اسلامی نظریے پر کریں۔ لیکن ایسے لوگ آخر ہماری آبادی میں ہیں کتنے؟ مشکل سے ان کا تناسب ایک دو یا دس پانچ فی لاکھ ہو گا۔ آخر عقل و منطق، یا انصاف یا جمہوریت کے کس قاعدے سے اس چھوٹی سی اقلیت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ یہاں کوئی نظام زندگی اس کے نظریات کے مطابق اختیار کیا جائے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس وقت یہی چھوٹی سی اقلیت ہمارے ہاں بڑے بڑے مناصب پر مسلط رہی ہے۔ لیکن یہ حالت خواہ کتنی ہی پریشان کن ہو، بہرحال اسے کوئی حقیقی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ ملک میں ایسی ایک اقلیت کے برسراقتدار ہونے کی حیثیت ایک اجنبی قوم کے برسر اقتدار ہونے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ انگریز بھی جب اس ملک پر حکومت کر رہا تھا تو اس کے کارفرماؤں اور کارپردازوں کی تعداد اس ملک میں اس سے زیادہ نہ تھی۔ اگر وہ اجنبی اقتدار یہاں مستحکم نہ ہو سکا تو یہ اجنبی اقتدار بھی یہاں مستحکم نہیں ہو سکتا۔ جب تک یہ اقتدار یہاں مسلط رہے گا، پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت کے جذبات، احساسات اور ان کی گہری جڑوں پر جمی ہوئی روایات سے، اس چھوٹی سی اقلیت کے منصوبے پیہم متصادم ہوتے رہیں گے۔ تصادم کی وجہ سے یہ ملک ایک انچ بھی ترقی کے راستے پر آگے نہ بڑھ سکے گا بلکہ جو کچھ پہلے کا بنا ہوا ہے وہ بھی بگڑتا چلا جائے گا۔ قوم کا دلی تعاون جس طرح بدیسی اجنبیوں کو کبھی حاصل نہ ہو سکا، اسی طرح ان دیسی اجنبیوں کو بھی کبھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ ان کی حیثیت بالکل ایسی ہی رہے گی جیسے کوئی شخص ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہو جو اسے سواری نہ دینا چاہتا ہو اور سوار اور سواری میں مسلسل کش مکش جاری رہے۔ اس حالت میں کسی نظریے کے مطابق بھی ہماری زندگی کے کسی مسئلے کا حل نہ ہو سکے گا، نہ اسلامی نظریے کے مطابق اور نہ غیر اسلامی نظریے کے مطابق۔ جو کچھ حکمران بنانا چاہیں گے قوم کا عدم تعاون اس کو نہ چلنے دے گا۔ جو کچھ قوم بنانا چاہے گی، حکمرانوں کی جبری اور بعض حالات میں مسلح مزاحمت اس کو نہ چلنے دے گی۔ اس کش مکش کو کسی کا جی چاہے تو جب تک چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طول دیتا رہے۔ آخر کار پاکستان کی تعمیر کے لیے اگر کوئی کام ہو سکے تو اسی وقت ہو سکے گا جبکہ قوم اور اس کے حکمرانوں کا مقصد اور مسلک ایک ہو اور وہ اسلام اور صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔

☆ اس تجزیے پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے مسلمانوں کا ایک نظام تمدن دیا ہے اور اس کی روایات ہماری قوم میں بڑی مضبوط ہیں تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہو گا کہ پاکستان کے مختلف عناصر کی معاشرت اور ان کا مفاد ایک دوسرے سے مختلف، بلکہ متصادم ہے؟

○ اس کے جواب میں، میں کہوں گا کہ جہاں تک تمدن و معاشرت کے مختلف ہونے کا تعلق ہے، اس کی وجہ تو یہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے اگر ہم اس ملک میں مسلمانوں کی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس ملک میں اسلام کو پوری طرح کام کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کو مکمل طور پر ایک تہذیب و تمدن میں رنگ دیتا۔ اسلام کے ساتھ ساتھ دوسری تمدنی قوتیں بھی یہاں کارفرما رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم برعظیم ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف یہ نظر آتا ہے کہ ان کے اندر وحدت کے جتنے عناصر ہیں، وہ تو سارے اسلام نے فراہم کیے ہیں، مثلاً عقائد، اذان، نماز، روزہ، جمعہ اور عیدین، حج، ختنہ، نکاح و طلاق و وراثت کے قوانین، لباس میں ستر کے حدود، کھانے پینے میں حرام و حلال کے قیود، معاشرت میں پردہ وغیرہ۔ اس کے برعکس ان کی زندگی میں اختلاف اور بیچ رنگی کے جتنے عناصر ہیں، وہ سارے کے سارے دوسری تمدنی قوتوں کے فراہم کردہ ہیں۔ اب اگر یہاں اسلام کو کام کرنے کا پورا موقع ملے اور نظام تعلیم و تربیت میں، قوانین میں، حکومت کی پالیسی میں اور دوسرے معاملات میں وہ پوری طرح یہاں کارفرما ہو تو وحدت پیدا کرنے والی طاقت زور پکڑتی جائے گی اور اختلاف پیدا کرنے والی طاقتیں کمزور ہوتی جائیں گی۔ لیکن اگر اس کے برعکس وحدت کا یہ واحد رشتہ تعلیم و تمدن اور قانون اور دوسرے موثر اداروں سے بے دخل رہے تو لامحالہ اختلاف پیدا کرنے والی طاقتیں زور پکڑتی جائیں گی اور ہماری آبادی کے مختلف عناصر کو بکھیر کر رکھ دیں گی۔

رہا معاشی مفاد کا مسئلہ تو وہ قدرتی اسباب سے مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان تصادم پیدا کرتا ہے۔ اگر اسلام کی رہنمائی میں ہم اپنے معاشی مسائل کو منصفانہ طریقے پر حل کر لیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے اندر اعتقادی اور اخلاقی وحدت کو بھی بڑھائیں تو یہ تصادم روز بروز خفیف ہوتا جائے گا اور کبھی نازک صورت اختیار نہ کرنے پائے گا۔ لیکن بہ صورت دیگر اس کو کوئی طاقت روز بروز بڑھنے اور پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم دست و گریبان کر دینے سے نہ روک سکے گی۔

☆ اس سلسلے میں ضمناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظریے کی یہی اہمیت ہے تو آخر دوسرے مسلم ممالک اس کو چھوڑ کر دوسرے نظریات کیوں اختیار کر رہے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

○ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر وہی ایک بلا مسلط ہے جو ہمارے اس ملک پر مسلط رہی ہے' یعنی کارفرمائی کی طاقتیں ہر جگہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جنھوں نے نہ کوئی اسلامی تعلیم و تربیت پائی ہے اور نہ اسلامی ذہنیت ان میں موجود ہے۔ قوم ہر جگہ مسلمان ہے' اسلامی جذبات رکھتی ہے اور اسلامی روایات اس میں گہری جڑوں کے ساتھ جمی ہوئی ہیں۔ لیکن سیاسی اور معاشی طاقت ہر جگہ ایک ایسی مختصر سی اقلیت کے ہاتھ میں ہے جس نے یا تو براہ راست مغربی استعمار کی گود میں پرورش پائی ہے یا مغربی استعمار سے چوٹ کھا کر اس کے آگے پوری طرح سپر ڈال دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ قوم اور ان استعمار زادوں کے درمیان کش مکش برپا ہے اور ہر جگہ مغربی نظام زندگی کا اجنبی پودا بالکل ایک دوسری سرزمین اور مخالف آب و ہوا میں لا کر زبردستی لگایا اور پروان چڑھایا جا رہا ہے۔۔۔۔

☆ آپ کے نزدیک اسلامی نظریے کو عملاً بروئے کار لانے کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں۔ سیاسی اور تہذیبی زندگی پر اس نظریے کے کیا اثرات مرتب ہونے چاہییں؟

○ سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ تو اس ملک میں جمہوریت کی بحالی ہے۔ اس لیے کہ اگر اس ملک کی حیثیت اس گھوڑے کی سی ہو جس کے منہ میں لگام ڈال کر ہر طاقت ور شخص اس پر زبردستی سوار ہو جائے اور اسے اپنے راستے پر چلانا شروع کر دے' تو ایسی حالت میں گھوڑے غریب کے لیے یہ سوچنا ہی لاحاصل ہے کہ وہ کدھر جانا چاہتا ہے اور اپنی مرضی کے راستے پر جانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔ ہمیں سب سے پہلے اس حالت کو بدلنا چاہیے۔ ہم کو یہاں ایک آزادانہ جمہوری ماحول درکار ہے جس میں اظہار خیال' اجتماع' تنظیم اور سعی و جہد کی آزادی ہو' جس میں ہر شخص اپنے خیالات کے مطابق رائے عام کو ہموار کرنے کی کوشش کر سکے' جس میں رائے عام کا کسی نظریے کے حق میں ہموار ہو جانا ہی اس نظریے کے مطابق قیادت میں تبدیلی ہو جانے کے لیے کافی ہو' اور جس میں قیادت کی تبدیلی کے لیے ایک پرامن آئینی راستہ موجود ہو۔ ایسے ماحول میں تو یہ ممکن ہے کہ میں اپنے نظریے کو بروئے کار لانے کے لیے کچھ اقدامات سوچ سکوں' انھیں بیان کر سکوں' لوگ ان کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکیں' اور جن کے نزدیک وہ صحیح ہوں وہ میرے ساتھ مل کر عملاً ان اقدامات کے لیے کوشش کر سکیں۔ لیکن اگر یہ ماحول موجود نہ ہو تو میرا اور آپ کا کسی قسم کے اقدامات کو سوچنا بے کار ہے۔ پھر تو سوچنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو گھوڑے پر سوار ہونے کی طاقت رکھتے ہوں۔

یہ لازمی اور ابتدائی شرط پوری ہونے کے بعد جو اقدامات اس نظریے کو بروئے کار لانے کے لیے درکار ہیں' وہ تین بڑے بڑے شعبوں پر مشتمل ہونے چاہییں' یا دوسرے الفاظ میں اس مقصد کے لیے بہ یک وقت تین سمتوں میں متوازن طریقے سے کوشش کی جانی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک، تبلیغ و تعلیم اور تعمیر فکر۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی آبادی کو وسیع اور عمیق پیمانے پر اسلام کے عقائد، اصول، احکام اور اخلاقی و عملی تقاضوں سے آگاہ کریں۔ غیر اسلامی نظریات و افکار اور نظام زندگی کے جو اثرات ان کے ذہن میں تھوڑے یا بہت اتر گئے ہیں، ان کو صاف کریں۔ مختلف ذہنی طبقات کو ان کی استعداد کے مطابق یہ سمجھائیں کہ اسلام کے مطابق ہماری زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل کس طرح ہونی چاہیے اور مختلف مسائل حیات کو کیسے حل کرنا چاہیے۔

دوسرے، اصلاح اخلاق یعنی لوگوں کی عملی زندگی کو اسلام کے تقاضوں کے مطابق درست کرنا اور ان غیر اسلامی اثرات کو عملاً ان کی زندگی سے خارج کرنا جو جہالت و جاہلیت کی وجہ سے یا قدیم غیر اسلامی تقلید کے باعث یا مغربی تہذیب و تمدن کی بدولت ان کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔

تیسرے، نظام حکومت کی اصلاح، تاکہ حکومت کے ذرائع و وسائل اور اس کے قوانین اور اس کے انتظامی اختیارات اسلام کے مطابق ہماری زندگی کی تعمیر نو میں استعمال ہو سکیں اور بالآخر ہم دنیا میں اس مشن کو پورا کرنے کے قابل ہو جائیں جو ایک امت مسلمہ ہونے کی حیثیت سے خدا نے ہمارے سپرد کیا ہے۔

ان تینوں شعبوں میں جس نوعیت کا کام درکار ہے، اس پر غور کرنے سے خود بخود آپ ایک چوتھی چیز کی ضرورت بھی محسوس کر لیں گے جس کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا، اور وہ یہ ہے کہ ایک گروہ ہمارے اندر ایسا ہو جو اس کام کو انجام دینے کے لیے مخلص، صحیح الفکر اور صالح العمل کارکنوں پر مشتمل ہو۔ وہ منظم طریقے سے اس مقصد کے لیے سعی و جہد کرے، وہ خود اپنے کارکنوں کی اصلاح و تربیت کی طرف بھی متوجہ رہے اور کام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مزید کارکن بھی پیدا کرتا رہے۔

سوال کا آخری حصہ بڑی تفصیلی بحث چاہتا ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر بس یہ سمجھ لیجیے کہ ہماری پوری قومی زندگی پر اس نظریے کے یہ اثرات مرتب ہونے چاہییں کہ ہم من حیث القوم دنیا میں دین حق کے سچے نمایندے بن کر کھڑے ہو سکیں۔ آج تو یہ ہمارا محض دعویٰ ہی ہے کہ ہم ایک مسلمان قوم ہیں، ورنہ عملاً ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں وہی سب کچھ کر رہے ہیں جو کوئی غیر مسلم قوم کرتی ہے، بلکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگ ہمیں بالکل اپنے ہی جیسا پائیں اور ہم کو اپنی نقل مطابق اصل دیکھ کر داد دیں۔ لیکن اسلامی نظام زندگی کو شعوری طور پر اختیار کرنے کا نتیجہ لازماً یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے اخلاق اور معاشرت میں، تہذیب و تمدن میں، ادب اور فنون میں، معیشت اور مالی معاملات میں، قانون اور عدالت میں، سیاست اور بین الاقوامی رویے میں، غرض ہماری ہر چیز میں اسلام کا اثر اتنا نمایاں ہو کہ کتابوں کو پڑھنے کے بجائے صرف ہمیں دیکھ کر ہی دنیا یہ جان لے کہ اسلام کیا ہے اور وہ انسان کو کیا کچھ بنانا چاہتا ہے۔ (چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، دسمبر ۱۹۶۰ء)

© rasailojaraid.com